

گھنگھرو ہوں عورت تو نہیں میں (پارٹ 4)

اس نے تعریف ہی کچھ اس انداز سے کی

اپنی ہی تصویر کو سو بار دیکھا میں نے

ایک اولڈ ہاوس کی بلڈنگ کا ٹھیکہ شفیق اینڈ سنز بلڈرز کو دینا تھا اور کام جلد از جلد مکمل کروانا تھا۔ ٹھیکہ دینا تو مشکل کام نہیں تھا مگر اس جگہ پر اولڈ ہاوس بنانے کی اجازت ملنا مشکل کام تھا کیونکہ بڑے بڑے کاروباری لوگوں کی نظر تھی اس جگہ پر۔ کوئی وہاں فائیو اسٹار ہوٹل بنانا چاہتا تھا تو کوئی پلازہ۔ جگہ تو بیگم ممتاز سلطانہ گوہر نے بہت سال پہلے خریدی تھی۔ تب اس جگہ کی نہ تو کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی اس کے آس پاس سے کوئی سڑک گزرتی تھی۔ پھر حکومت نے موٹر وے بنائی تو اس جگہ کی قیمت سونے کی قیمت کی طرح آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی۔ بہت سے لوگوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور بہت سوں نے تو بیگم سلطانہ کے سامنے بلینک چیک رکھ دیئے کہ جتنی چاہے قیمت

خوشخبری رائلٹرز متوجہ ہوں

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور انکی کتاب بک شیلف کی زینت بنے۔ آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔ مزید معلومات کے لئے نیچے دئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications

Whatsapp : 03335586927

Email : aatish2kx@gmail.com

بھر لے۔ مگر بیگم ممتاز سلطانہ سے زبردستی کوئی کام کروانا مشکل ہی نہیں نا ممکن تھا۔ وہ شرافت کی زبان تب تک بولتی تھیں جب تک سامنے والا شریف بنا رہے۔ جب سامنے والا شرافت کا لبادہ اتار دے تو بیگم ممتاز سلطانہ سے بڑا کوئی بد معاش نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح کچھ اور ایسے ہی ضروری کام تھے جو ان لوگوں سے نکلوانے تھے اور بدلے میں نزاکت بھرے انداز میں بس مسکرا مسکرا کر بات

کرنی تھی۔ یہاں آئے لوگوں سے نہ صرف بیگم سلطانہ کو کام تھا بلکہ یہاں بہت سے لوگ ملتے اور ایک دوسرے سے ڈیلز فائنل کرتے۔ کوئی سڑک کا ٹھیکہ لینے کے لئے بھاری رقم کی آگر دوسرے کو کرتا تو کوئی سرکاری زمین پر ذاتی پلازہ بنانے کے اجازت نامے پر دستخط لینے کے عوض کوئہ گاڑی یا پلاٹ دوسرے کو گفٹ دے رہا ہوتا۔ یہ سب سارے ہوس پرست، مطلب پرست اور جھوٹے عاشق جانتے تھے کہ بیگم ممتاز سلطانہ گوہر کسی بھی قیمت میں کسی کو خود کو چھونے کی اجازت نہیں دے گی۔

رات کا ایک بج گیا۔ باری باری سب ہی چلے گئے۔ اگر کوئی ابھی تک وہاں موجود تھا تو وہ تھا ڈی۔ ایس۔ پی انوار خان۔ گرے آنکھوں والا یہ شخص بیگم سلطانہ کا ہم عمر ہی ہوگا۔ کئی سالوں سے دونوں کے درمیان ایک لمبی خاموشی تھی۔ نہ وہ کچھ کہتا تھا نہ بیگم سلطانہ کچھ کہتی۔ نہ وہ کچھ سننے کی فرمائش کرتا اور نہ بیگم سلطانہ چاہتی تھیں کہ وہ کچھ بھی کہے۔ خاموش محبت کی کہانی سالوں سے چل رہی تھی۔ اتنا ضرور تھا کہ وہ واحد انسان تھا کہ جب بھی آتا اسے بیگم سلطانہ سے نہ صرف ملاقات کا شرف ملتا بلکہ بیگم سلطانہ اس کے ساتھ چائے یا کافی ضرور پیتیں۔ مگر اس دوران بھی دونوں کے درمیان بس خاموشی ہی گفتگو کرتی۔ ایسی گفتگو جو ارد گرد کے پھول، پرندے اور تتلیاں تو شاید سمجھ جاتے مگر انسان انہیں پاگل سمجھتے کہ دونوں کوئی بات ہی نہیں کرتے اور نہ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔

خوشخبرى

اگر آپ لكه سكتے هیں اور اپنے اندر كے لكهارى كو باهر لانا چاهتے هیں
تو لكهارى آن لائن ميگزين آپ كو اپنى صلاحيتوں كو نكهارنے كے لئے بهت اچھا
پليٹ فارم فراهم كرتا هے۔ لكهارى آن لائن ميگزين كا حصہ بنئے اور آج هى اپنى
تحرير (افسانہ، ناول، ناولٹ، كالم، مضامين، شاعرى) اردو ميں ٹائپ كر كے
همیں بهيجیں۔ آپ كى كوئى بهى تحرير ضائع نهیں كى جائے كى اور ايك هفتے كے اندر
همارے سب ويب بلاگز (ويب سائٹس) اور سوشل ميڈيا گروپس اور پيجز پر
پبلش كر دى جائے كى۔ مزيد تفصيلات كے لئے ابھى رابطہ كريں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

جب سب لوگ چلے گئے تو بیگم سلطانہ نے جانم بی سے کہا

"جانم بی بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے اور اس خیمے میں بیٹھنے سے وحشت بھی ہو رہی۔ دو کپ چائے میرے کمرے کے ساتھ والے لان میں پہنچا دیں اور انوار صاحب کو بھی وہاں لے جائیں میں چینیج کر کے آتی ہوں۔"

انوار خان سب سن رہا تھا وہ بولا تو کچھ بھی نہیں بس ایک میٹھی سی مسکراہٹ سے بیگم سلطانہ کی بات کا جواب دیا۔ بیگم سلطانہ بھی جواب میں مسکرا کر وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کی نظر اس دیوار پر پڑی جو پورے شیشے کی بنی تھی تو خود کو دیکھ کر مسکرا دیں مگر آنکھ نم تھیں۔ خود سے ہم کلام ہو کر بولیں

تیری یادوں کی سب رفاقتیں
میرے ہم قدم، میرے ہم نشین
تیری آرزوئیں، وہ تیری حسرتیں
میرے سنگ چلیں، میرے سنگ رکیں
میں جہاں رکی، میں جہاں تھی

میری سانس سانس میں ہے بسی

کہیں آبلہ، کہیں لہو لہو

میرے دل کے ہو بہو

بھیڑ میں کبھی بلبلہ کے رو پڑیں

کبھی تنہائی میں کھکھلا کر ہنس پڑیں

ہے میسر مجھے تیری یادوں کی رفاقتیں

بس تو نہیں۔۔ اک تو نہیں

(شاعرہ۔۔ صدف تذنین)

بیگم ممتاز سلطانہ گوہر کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھو کر لان میں گئیں تو انوار خان وہاں پہلے سے موجود
منتظر نظر آ رہا تھا۔ بیگم سلطانہ سفید رنگ کے سوٹ میں جس پر ہلکی سی سفید رنگ میں ہی کڑھائی
ہوئی ہوئی تھی بنا میک اپ کے آسمان پر چمکتے چاند سے زیادہ حسین لگ رہی تھیں۔ بیگم سلطانہ کو دیکھ
کر وہ احترام میں کھڑا ہو گیا مگر آج خاموش نہ رہ سکا۔ بیگم سلطانہ کے چہرے پر آتی لٹ غضب ڈھا
رہی تھی۔

انوار مسکرا کر بولا

"آج تو چاند نے آسمان پر نکلنے کی زحمت ہی کی ہے آج تو زمین کی چاند کے سامنے اس کی روشنی مانند پڑ گئی ہے"

جواب میں بیگم سلطانہ مسکرا دیں۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ چند سیکنڈ بعد جانم بی کے ساتھ فرح چائے اور کچھ لوازمات لے کر پہنچ گئی۔ فرح تو چائے رکھ کر چلی گئی جانم بی نے دونوں کو چائے ڈال کر پیش کی اور وہ بھی پھر وہاں سے چلی گئی۔

اب بھی دونوں خاموش تھے۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک ایسا رشتہ تھا جس کا کوئی نام نہیں تھا مگر بہت پاکیزہ رشتہ تھا۔ روح کا رشتہ۔ انوار خان کی آنکھوں میں بیگم سلطانہ کے لئے محبت کے ساتھ احترام صاف نظر آتا تھا۔ وہ بیگم سلطانہ کی طرف دیکھے بنا، کچھ کہے بنا سب کچھ کہہ دیتا اور بیگم سلطانہ بھی سن لیتیں۔ کافی دیر خاموشی کے بعد بیگم سلطانہ نے مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا

"آئی پسند کوئی لڑکی شریک حیات بنانے کے لئے؟"

بیگم سلطانہ کی نظریں چائے کے کپ پر تھیں۔

انوار نے بیگم سلطانہ پر ایک گہری نظر ڈالی اور چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا

"مدتوں سے منتظر ہوں کسی کا۔ نہ وہ حامی بھرتی ہے نہ میں انتظار کرنے سے تھکتا ہوں۔ کبھی تو وہ حامی بھرے گی۔"

بیگم سلطانہ کی موٹی موٹی آنکھوں میں جیسے نمی سی آگئی مگر وہ نمی آنکھوں سے باہر نکلنے کی بجائے موتیوں کی شکل میں آنکھوں کے اندر ہی جذب ہو گئی۔ وہ ڈش سے کباب پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولیں

"انوار صاحب ممکن ہے آپ سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہوں۔"

انوار خان نے بنا بیگم سلطانہ کی طرف دیکھے مسکراتے ہوئے کہا

"سراب ہے یا خواب ہے جو بھی ہے مجھے پسند ہے اس میں رہنا اور میں اپنی طرف سے وفا نبھا رہا ہوں بنا کسی تقاضے کے۔ بس آپ سے تو اتنی سی درخواست ہے کہ جب کبھی اس بندہ ناچیز کا خیال آئے تو میری دعا قبول ہونے کی دعا کر دیا کریں۔ ممکن ہے میری دعا کے ساتھ آپ کی دعا مل جائے تو قبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے۔"

بیگم سلطانہ نے چائے کا سپ بھرا اور نہایت سنجیدہ انداز میں بولیں

"اب شریف لوگ طوائفوں سے دعا کرنے کو کہیں گے۔ اگر آپ کی دنیا کے شرفاء نے سن لیا تو آپ پر بھی قتل کا فتویٰ لگ جائے گا۔"

انوار خان نے بیگم سلطانہ کی طرف ایک نظر دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا

"میری جان اگر میرے محبوب کے نام پر جائے گی تو میں سمجھوں گا محبت کا تھوڑا سا حق ادا کر دیا اور یہ کہاں لکھا ہے کہ کوٹھے پر آنے والی ہر عورت طوائف ہوتی ہے اور اگر مان لو کہ ہر عورت طوائف بھی ہوتی ہے تو یہ کہاں درج ہے کہ طوائف سے دعا کروانا جرم ہے یا طوائف کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ خدا کے ہاں کون مقبول ہے یہ تو خدا ہی جانتا ہے۔"

بیگم سلطانہ کا دل کیا کہ رو دیں مگر مسکراتے ہوئے بولیں

"آپ تو شراب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے پھر آج بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

انوار خان جو چائے کا آخری سپ لے چکا تھا کپ میز پر رکھتے ہوئے بولا

"بہکتا نشی ہے اور نشہ صرف شراب کا نہیں ہوتا، عشق کا نشہ شراب کے نشے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

بیگم سلطانہ مسکراتے ہوئے بولیں

"اچھا"

انوار خان نے سوالیہ انداز میں پوچھا

"جانتی ہیں آپ کیوں؟"

بیگم سلطانہ گوہر محض مسکرا دیں تو انوار خان نے بیگم سلطانہ پر ایک نظر ڈالی اور پھر سامنے لان میں لگے پھولوں کو دیکھ کر بولا

"شرابی کو نشے کے لئے شراب کی ضرورت ہوتی ہے۔ شراب نہ ملنے پر اس کا نشہ ٹوٹ جاتا ہے مگر عاشق کو نشے کے لئے محبوب کی موجودگی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو اس کے تصور میں ہی جی لیتا ہے۔ جو انسان بنا ملے، بنا دیکھے، بنا بات کئے دوسرے کو جنون کی حد تک چاہ سکتا ہے سوچیں اس کا تو نشہ کسی وقت بھی نہیں ٹوٹتا تو پھر بڑا نشئی کون ہوا۔"

بیگم سلطانہ نے بس ایک مسکراہٹ میں ہی بات ختم کرنے کی کوشش کی مگر انوار خان آج ایک وعدہ لینے آیا تھا یا اپنا فیصلہ سنانے جو کچھ بھی تھا آج وہ بات کسی بھی صورت نامکمل نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ جانم بی آئی اور پوچھا کہ "کچھ اور تو نہیں چاہیے۔"

بیگم سلطانہ جیسے انوار کی بات سے بھاگ رہیں تھیں۔ کیونکہ وہ یہ نہیں بتانا چاہتی تھیں کہ ایک مدت سے وہ بھی محبت کی اسی آگ میں تڑپ رہی ہیں جس میں انوار خان۔ وہ تو یہ ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ وہ چٹان جیسی ہیں جذبات سے عاری۔ انھیں ڈر تھا کہ انوار خان مزید رکا تو کہیں وہ جان نہ لے۔ بیگم سلطانہ کے دل کا یہ وہ راز تھا جسے صرف جانم بی جانتی تھی۔

"جانم بی دو سے اوپر کا وقت ہے۔ انوار صاحب کو کافی لیٹ ہو گیا ہے پہلے ہی اور میں بھی تھک چکی ہوں۔ یقیناً اب انوار صاحب جانا چاہتے ہوں گے۔"

اس سے پہلے کہ جانم بی کچھ بھی کہتی انوار خان بولا

"جانم بی آج ایک بار آپ مجھے فیور دے دیں۔ مجھے ایک کپ کی جگہ دو کپ کافی تھرموس میں بنا کر دیں اور ایک ایک کپ کافی ابھی لا دیں۔ میں اپنی بات مکمل کئے بنا آج کہیں نہیں جاؤں گا اور نہ آپ کی بیگم ممتاز سلطانہ۔"

جانم بی مسکرا دی کیونکہ وہ بھی سوچتی تھی کہ خوشیوں پر بیگم سلطانہ کا بھی حق ہے۔ وہ "جی ابھی لائی" کہہ کر چلی گئی۔

انوار خان لان میں بچھی آرام دہ کرسی سے اٹھا اور سامنے لگے بڑے سے لوہے کے بنے جھولے پر بیٹھ گیا۔ جس پر بڑا آرام دہ گدا اور ٹیک لگانے کے لئے گدیاں رکھی ہوئیں تھیں۔ یہ جھولا بھی بیگم سلطانہ کو بہت پسند تھا۔ اس میں ایک وقت میں ایک ساتھ تین لوگ آرام سے بیٹھ سکتے تھے۔ بیگم سلطانہ کے سامنے بیٹھ کر بہت مطمئن انداز میں بولا

"بیس سال پرانا عشق ہے میرا اور عشق جتنا پرانا ہو اتنا ہی زیادہ جنونی ہو جاتا ہے۔ جانتی ہو سب آپ۔ تب سے چاہتا ہوں جب تم بیگم ممتاز سلطانہ گوہر نہیں بلکہ مہوش تھی۔ جب تم مجھے زخمی حالت میں ملی تھی۔ تب پہلی نظر میں تم میری روح میں اتر گئی تھی۔ تم تو مردوں کی نظر کو خوب جانچ لیتی ہو۔ اچھا بتاؤ کیا تب سے اب تک کبھی تمہیں میری نظریا نیت میں کوئی فتور یا ہوس نظر آئی۔ کیا کبھی تمہیں لگا کہ میں محض وقت گزاری کر رہا ہوں۔ کیا کبھی تمہیں لگا کہ میں دوغلہ ہوں۔ کیا کبھی میں نے کوئی ایسی بات یا حرکت کی جس سے تمہیں ایک لمحہ کو بھی لگا ہو کہ میری نظر میں تمہاری اہمیت یا عزت نہیں ہے۔"

جانم بی کافی لے کر آئیں تو انھیں اندازہ ہو گیا کہ بیگم سلطانہ اپنے بنائے ہوئے خول سے باہر نہیں نکلنا چاہتیں۔

وہ بنا کچھ کہے وہاں سے چلی گئیں۔

بیگم سلطانہ مسکراتے ہوئے بولیں

چال اپنی کچھ ایسے وقت چل گیا تھا

چھڑا کے ہاتھ رقیبوں سے مل گیا تھا

سائے ملے تھے راستے میں ساتھ چلتے

ہر سایہ چل کے کچھ قدم ڈھل گیا

وہ سمجھا میرا درد مگر اس وقت صدف

میں چپ چاپ مٹی میں جب مل گیا تھا

(شاعرہ۔۔ صدف تڑپن)

انوار خان خاموشی سے سنتا رہا۔ بیگم سلطانہ خاموش ہوئیں تو بولا

"میں اپنی آخری سانس تک انتظار کر سکتا ہوں، کبھی کسی پل یہ خواہش بھی نہیں کروں گا کہ مجھے تمہیں حاصل کرنا ہے۔ میں تو بس اتنا سا یقین چاہتا ہوں کہ جب کبھی کسی کو اپنانے کی طلب ہوگی تو ایک بار میرے بارے میں سوچنا ضرور۔ اگر تب بھی دل میرے حق میں گواہی نہ دے تو مت اپنا نا۔ کیونکہ تمہیں چاہنے کے لئے مجھے تمہارا میسر ہونا بھی شرط نہیں۔"

بیگم سلطانہ بولیں

"انوار صاحب بیس سال پہلے جب میں مہوش تھی اور آپ سے ملی تھی تب میں ایک قتلہ تھی اور آج بیس سال بعد میں ایک نامی گرامی طوائف ہوں۔ آپ تب بھی ایک شریف انسان تھے ایک قتلہ کو ہم سفر بناتے تو معاشرہ جینے نہ دیتا اور آپ آج بھی ایک شریف انسان ہیں ایک مشہور زمانہ طوائف کو ہم سفر بنائیں گے تو لوگ جینے کا حق چھین لیں گے۔ میں تب بھی آپ کو برباد ہونے سے

بچانا چاہتی تھی کیونکہ آپ میرے محسن تھے اور میں آج بھی آپ کو برباد ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔"

انوار خان نے کافی کا خالی میک میز پر رکھا اور بولا

"جو خود برباد ہونے کا خواہش مند ہو اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

بیگم سلطانہ جو اندر سے مکمل ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں۔ اپنی اندرونی کیفیت چھپاتے ہوئے بولیں

"شاید آپ ابھی تک بیگم سلطانہ کو صحیح سے پہچان نہیں پائے۔ میں جذبات سے عاری انسان ہوں۔ مجھ پر کسی کی محبت یا نفرت کا اثر نہیں ہوتا۔ میں کتنی بھی کوشش کر لوں کسی بھی جذبے کو محسوس نہیں کر پاتی۔"

انوار خان بیگم سلطانہ کے پاس بچھی دوسری آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا

"مہوش"

بیگم سلطانہ نے ایک دم انوار خان کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کروانے کی کوشش کی۔ یہ سب اتنی جلدی اور اچانک ہوا کہ جب تک بیگم سلطانہ کو احساس ہوا تب تک انوار خان ان کی انگلی کی حدت اپنے ہونٹوں پر محسوس کر کے محذوز ہو چکا تھا۔ ایک سیکنڈ کی بات تھی ساری۔ بیگم سلطانہ نے انگلی فوراً ہی ہٹا دی۔ مگر پہلی بار وہ شرمندہ انداز میں بولیں

"سوری غلطی سے انگلی۔۔ مگر میری درخواست ہے کہ دوبارہ کبھی مجھے اس نام سے مت بلانا۔"

انوار خان مسکراتے ہوئے بولا

"سوری کیوں کچھ اچانک کی گئی غلطیاں بہت حسین ہوتی ہیں۔ یہ لمحہ پل کا لمس بیس سال بعد نصیب ہوا ہے۔ میں اگلے بیس سال اسی پل کو محسوس کر کے بہت سکون سے گزار سکتا ہوں"

بیگم ممتاز سلطانہ گوہر بے اختیار کھکھلا کر ہنس دیں اور ہنستے ہنستے بولیں

"آپ جیسا بھی عاشق کسی عشق کی کتاب میں ملے گا نہیں۔"

انوار خان بیگم سلطانہ کو ایسے ہنستے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ بیگم سلطانہ کو احساس ہوا کہ وہ تو ہنس رہی ہے تو اسے خود پر حیرت ہوئی اور ایک دم خاموش ہو گئی۔

اتنی خاموشی ہو گئی کہ جیسے وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ بیگم سلطانہ بولیں

"مجھے لگتا ہے کہ آپ کو چلے جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ زیادہ دیر ہو جائے۔"

انوار خان نے ایک نظر بیگم سلطانہ پر ڈالی اور بولا

"میں اسی لئے تو رکا تھا کہ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے اب کم از کم یہ پریشانی تو نہیں ہو گی کہ کاش میں نے اپنے جذبات کا اظہار اپنی زبانی کر دیا ہوتا تو تم میرے بارے میں ایک بار سوچتی۔"

ویسے میں یہ بات جانتا تھا بہت اچھے سے کہ تم میرے ہر احساس اور جذبے سے واقف ہو اور جان کر انجان بنتی ہو۔ خیر میں تمہارا مزید وقت نہیں لوں گا۔ اتنا یقین تو ہے خود کی عاشقی پر کہ روز نہ سہی مگر کم از کم آج نیند آنے تک تمہارے دل و دماغ پر میرا قبضہ رہے گا۔ یہ احساس بھی میرے خوش ہونے کے لئے بہت ہے۔"

انوار خان تو "خدا حافظ" کہہ کر چلا گیا مگر بیگم سلطانہ وہیں لان میں بیٹھی آسمان کو دیکھتے ہوئے جانے کب تک انوار خان کے بارے میں سوچتی رہیں اور جانے کب وہیں ان کی آنکھ لگ گئی۔ ان کی آنکھ صبح فجر کی اذان سے کھلی اور خود کو لان میں پا کر انھیں خود پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ اس سے پہلے کہ محل میں کسی کو بھی یہ بات پتا چلتی وہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔ جانم بی ہر بات سے باخبر تھیں۔ مگر وہ باخبر ہو کر بھی بے خبر بنی رہیں۔

مجھ کو تکلیف میں پلا کر دو گھونٹ پانی

اس نے پھر میرے تڑپنے کا تماشہ دیکھا

چھ ماہ بعد

بونی

بیگم ممتاز سلطانہ گوہر نیپال پور گاؤں سے واپس لاہور کی طرف آرہی تھیں۔ وہ گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی آنکھیں بند کئے سارے دن میں ہوئے معاملات کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ انھیں ڈرائیور نے آواز دے کر سوچوں سے باہر نکالا۔

"میڈم۔۔۔ میڈم جی"

نارملی کوئی بھی ڈرائیور کبھی بھی سفر کے دوران بیگم سلطانہ گوہر کو آواز نہیں دیتا تھا۔ جب بھی کوئی گاڑی طلسماتی محل سے کسی بھی لڑکی کو لے کر نکلتی تو ڈرائیور کے ساتھ اسکوڈ ضرور ہوتا تھا جبکہ بیگم سلطانہ کی گاڑی میں ایک اسکوڈ آگے جبکہ دو پچھلی گاڑی میں ہوتے تھے۔ ڈرائیور کے آواز دینے پر انھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا

"کیا بات ہے عتیق تم اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟"

عتیق نے کہا

"میڈم کچھ آوارہ لوگ ایک لڑکے شاید ہجڑے کو تنگ کر رہے ہیں۔ وہ مذمت کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر وہ مسلسل اس کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

بیگم سلطانہ نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھا تو انھیں سڑک کے ساتھ ساتھ کھیتوں میں وہ منظر نظر آگیا جس کا ذکر عتیق نے کیا تھا۔ بیگم سلطانہ نے گاڑی میں موجود اسکوڈ سے کہا کہ پچھلی گاڑی میں

موجود اسکوڈز کو مطلع کرو اور انہیں کہو کہ اس لڑکے کو ان سے بچا کر باحفاظت طلسماتی محل پہنچائیں۔"

چند ہی لمحوں میں حکم کی تعمیل ہو گئی۔ جیسے ہی ان آوارہ مردوں نے ایک بہت بڑے حجم کے ڈالے کو اپنے پاس کھیتوں میں رکتے دیکھا تو وہ لمحہ بھر کے لئے سہم گئے۔ ان میں سے ایک دو زیادہ مضبوط اور طاقت وار خود کو دکھانے کی غرض سے آگے بڑھے مگر جیسے اس گاڑی میں سے بھاری بھر کم جسم کے کالی وردیوں میں ملبوس جدید ہتھیار سے لیس سپاہی نما انسان باہر نکلتے دیکھے تو بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر ان اسکوڈ نے ان کی پہلے تو اچھی خاصی دھلائی کی اس کے بعد اس ڈرے سمبے ہجرے کو اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔

بیگم سلطانہ کے کہنے پر ان کے ڈرائیور نے اپنی گاڑی کی رفتار کافی آہستہ کر دی تھی تو وہ سارا منظر بآسانی دیکھ سکتی تھیں۔ جب اسکوڈ واپس گاڑی میں بیٹھ گئے تو دونوں گاڑیاں تیزی سے واپسی کے راستے پر گامزن ہو گئیں۔

طلسماتی محل پہنچ کر بیگم سلطانہ کی گاڑی تو محل کے اس راستے سے اندر داخل ہوئی جو ان کے کمرے کی طرف جاتا تھا۔ جبکہ اسکوڈ کی گاڑی محل کے مین گیٹ سے داخل ہوئی۔ محل میں آنے والا ہر نیا فرد جانم بی کی نگرانی میں دے دیا جاتا تھا اور پھر جانم بی کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کس کو سونپنی جائے۔ وہ کافی زیادہ زخمی تھا۔ اس کی مرہم پٹی کے لئے اسے محل کے ہی

ڈاکٹر تک پہنچایا گیا۔ محل میں ڈاکٹر اور فوری طبی علاج کی سب سہولیات موجود تھیں۔ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی اور اسے ذہنی طور پر نارمل حالت میں لانے کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ جانم بی سے بیگم سلطانہ کو اس کی خیریت کی خبر ملتی رہتی تھی۔ اسکا نام پوچھنے پر پتا چلا کہ مختلف لوگ اسے مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ جب یہ بات بیگم سلطانہ گوہر کو جانم بی سے پتا چلی تو انہوں نے کہا کہ "اسے آج سے بوہی کہہ کر بلا جائے اور یہ کہ اس کے مکمل ٹھیک ہونے پر میری اس سے ملاقات کروانا۔"

زندگی روٹین میں چل رہی تھی۔ بہت سے ملازم تھے طلسماتی محل اور اس میں رہنے والوں کی دیکھ بھال کے لئے۔ ہفتے میں ایک بار بیگم سلطانہ گوہر فجر کی نماز پڑھتے ہی طلسماتی محل سے چلی جاتیں اور رات دیر سے ان کی واپسی ہوتی۔ وہ کہاں جاتیں تھیں اور کیوں جاتی تھیں یہ بات چند لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ان چند لوگوں میں جانم بی، ڈرائیور عتیق اور بیگم سلطانہ کے خاص اسکوڈ شامل تھے۔

بیگم سلطانہ کی گاڑی نہ تو محل کے مین گیٹ سے کبھی نکلتی اور نہ ہی داخل ہوتی اس لئے ان کی موجودگی یا غیر موجودگی کا کبھی بھی کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔

بوی اب کافی سنبھل چکا تھا اور بہت خوش رہنے لگا تھا۔ سب کے ساتھ گھل مل گیا۔ اسے یہاں آئے دو ماہ ہو چکے تھے جب جانم بی نے بیگم سلطانہ سے کہا کہ "بوی اب مکمل طور پر ٹھیک ہے اگر آپ چاہیں تو ملاقات کر لیں۔"

بیگم سلطانہ کے کمرے کی ایک دیوار کھڑکی نما دروازہ تھی جو لان میں کھلتی تھی۔ ان کے کمرے سے ملحقہ لان اور محل کے دوسرے لان اور باغ کے درمیان ایک دروازہ تھا۔ جسے صرف اور صرف بیگم سلطانہ کے حکم پر ہی کھولا جاتا تھا۔ ان کے لان میں ایک شیشے کا خوبصورت کین بھی بنا ہوا تھا۔ خوبصورت پھول، جھولے کے علاوہ خوبصورت پنجروں میں مختلف نسلوں اور رنگوں کے پرندے موجود تھے۔ بیگم سلطانہ کو پھول، رنگ، خوشبو، پرندے، بارش، بادل، برف باری الغرض ہر خوبصورت چیز اور منظر پسند تھا مگر وہ یہ بات کبھی بھی کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتی تھیں۔

بیگم سلطانہ جو کتاب پڑھنے میں مصروف تھیں جانم بی کی بات کے جواب میں بولیں "اسے شام کی چائے پر میرے پاس لے آنا۔ آج کی چائے اس کے ساتھ پیو گی۔"

جانم بی نے سوالیہ انداز میں کہا "یہاں مطلب محل کے اس حصے میں اور شام کی چائے تو آپ لان میں پیتی ہیں نا۔"

بیگم سلطانہ نے اب نظریں کتاب سے ہٹائیں اور جانم بی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں "آپ اتنی پریشان کیوں ہیں۔ مین لان کا دروازہ درمیان سے کھول کر اسے میرے لان میں لے آئیے گا اور ہاں صرف میرے لئے چائے نہیں بلکہ اس کی چائے اور لوازمات بھی لائیے گا۔"

جانم بی نے مسکراتے ہوئے کہا "جی ضرور" اور وہاں سے چلی گئیں۔

مغرب کی نماز کے بعد بیگم سلطانہ گوہر لان میں موجود اپنے پرندوں سے باتوں میں مصروف تھیں جب جانم بی نے آکر کہا کہ "بوی دوسری طرف ہے اگر اجازت ہو تو اس طرف لے آؤں۔"

بیگم سلطانہ لان میں رکھی آرام دہ کرسی پر سکون سے بیٹھ گئیں اور ہاتھ کے اشارے سے اسے بھیج دینے کی اجازت دے دی۔ جانم بی واپس چلی گئیں اور کچھ سیکنڈ بعد وہ بوی کو ساتھ لے کر بیگم سلطانہ گوہر کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے پیچھے ہی ملازمہ ٹرائی میں لوازمات اور چائے لے کر پہنچ گئی۔ جانم بی نے اشارہ کیا اور ملازمہ فرح ٹرائی رکھ کر چلی گئی۔ جانم بی خاموشی سے ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئیں۔

بوی نے بیگم سلطانہ کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ محل میں موجود ہر انسان ان کی تعریف ہی کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے بوی کو ان سے ملنے اور انھیں دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ بوی اتنی بارعب

شخصیت والی خوبصورت عورت کو دیکھ کر جیسے گم سم ہو گیا۔ جانم بی نے بھانپ لیا اور بولیں "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پہلے تو تم کرسی پر آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھو۔ اس کے بعد باتیں ہوں گی۔"

اب جانم بی نے دو کپوں میں چائے ڈالی اور دوبارہ سائیڈ پر کھڑی ہو گئیں۔ بیگم سلطانہ نے پہلے تو بوبی سے رسمی طور پر اس کا حال اور طبیعت پوچھی تاکہ وہ نارمل محسوس کرے اور بنا کسی گھبراہٹ کے تمام سوالات کے جواب دے سکے۔ بیگم سلطانہ کے شفیق رویے کو دیکھ کر بوبی بہت مطمئن نظر آنے لگا۔ بیگم سلطانہ نے اسے مطمئن دیکھا تو اصلی مودے کی طرف آئیں اور پوچھا "تم گھر سے کیوں بھاگے تھے؟"

بوبی بیگم سلطانہ کے سوال پر پریشان سے زیادہ حیران ہو گیا کہ "انہیں کیسے پتا چلا کہ وہ گھر سے بھاگا ہے جبکہ اس نے آج تک کسی کو کچھ نہیں بتایا اپنے بارے میں۔" بوبی مسلسل خاموش تھا۔

بیگم سلطانہ نے اپنے اسی سوال کو دوسری مرتبہ دوسرے انداز میں دہرایا اور بولیں "میں تمہاری کہانی تمہاری زبانی سننا چاہتی ہوں مگر جو بھی بتانا مکمل سچ بتانا۔ سچ بولنے والوں کا میں ساتھ دیتی ہوں۔ جھوٹ اور جھوٹ بولنے والوں سے نفرت ہے مجھے۔ تم سچ کہو گے مکمل سچ تب ہی میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں گی۔"

بوبی ابھی بھی خاموش تھا۔ جانم بی نے چائے کا کپ بیگم سلطانہ کی طرف بڑھایا۔ بیگم سلطانہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے بوبی کی طرف دیکھا۔ بوبی بولنے کی کوشش تو کر رہا تھا مگر ایک انجانا خوف اسے بولنے نہیں دے رہا تھا۔ جانم بی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو بولیں "تم محفوظ ترین جگہ پر ہو یہاں تمہارے ساتھ کوئی غلط سلوک نہیں ہوگا مگر اس محل میں رہنے کے کچھ اصول ہیں اور سب سے پہلا یہ کہ یہاں آنے والے ہر شخص اپنے ماضی کے بارے میں سب سچ بتانا ہوتا ہے۔"

بوبی تھوڑا سا مطمئن ہوا۔ جب بولنے کی کوشش کی تو اس کی آواز تو مردانہ تھی جبکہ انداز زنانہ۔ ایک لمحہ کو وہ رک گیا۔ بیگم سلطانہ نے اس کو الجھتے دیکھا تو بولیں "بوبی یہاں کوئی تمہیں پرکھ نہیں رہا۔ تمہاری آواز یا انداز سے کسی کو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو تم بلا ہچکچاہٹ اپنی بات مکمل کر سکتے ہو۔"

بوبی جیسے کہیں ماضی کی وادی میں کھوسا گیا اور پھر اپنی روانی میں بتاتا چلا گیا کہ "میرا تعلق ایک بہت اچھے اور کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ میرے سارے تایا اور چاچا کے گھر ایک ساتھ تھے۔ باہر سے ایک ہی باؤنڈری وال تھی جبکہ اندر سب کے اپنے اپنے گھر بنے ہوئے تھے۔ مجھ سے بڑے دو بھائی اور چھوٹی دو بہنیں تھیں۔ میں حافظ قرآن پاک ہوں۔ میرے والدین نے میرا نام دانش رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر کوئی کمی رکھی ہے۔ وقت گزرنے لگا۔ مجھے اپنی بہنوں کے ساتھ ان کی گڑیوں سے کھیلنا بہت اچھا لگتا تھا۔ بچپن میں یہ بھی عام بات سمجھی گئی۔ پھر مجھے ان کے کپڑے اچھے لگنے لگے۔ درزی سے جب بھی ان کے کپڑے سلائی ہو کر آتے میں چھپ

چھپ کر پہن کر دیکھتا۔ مجھے اپنا آپ ان کے کپڑوں میں بہت زیادہ خوبصورت لگتا۔ اب میں عمر کے اس حصے میں تھا جہاں لڑکوں کی آواز اور انداز دونوں ہی بدلنے لگتا ہے۔ میری آواز بدلی ضرور اور بہت بھاری ہو گئی مگر اس کے ساتھ ساتھ میرا انداز بھی بدل گیا بات کرنے کا۔ اب میرے بولنے اور خاص کر ہنسنے پر پابندی لگا دی گئی۔"

بیگم سلطانہ خاموشی اور پوری توجہ سے بوبی کی بات سن رہی تھیں۔ بات کرتے کرتے بوبی کی آواز بھر آئی۔ اس کے رونے کا انداز زنانہ ہی تھا۔ جانم بی نے اسے تسلی دی اور سر پر پیار دیتے ہوئے بولیں "تمہیں یہاں بولنے، ہنسنے یا رونے پر کوئی کچھ نہیں کہے گا اس لئے تم بنا کسی خوف کے اپنی بات مکمل کرو۔"

بوبی نے اپنی قمیض کے دامن سے آنسو صاف کئے اور دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے کہا "اب مجھے بات بے بات میرے والد سے ڈانٹ پڑتی، کبھی بولنے پر، کبھی ہنسنے پر اور کبھی رونے پر۔ بھائی اسکول میں میرے ساتھ کھیلنا تو دور بیٹھنا بھی پسند نہ کرتے اور کہتے کہ میری حرکتیں زنانہ ہیں اور انھیں خود کو میرا بھائی بتاتے شرم آتی ہے۔ میری بہنیں مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں مگر وہ مجھ سے اس لئے دور رہتی کیونکہ میرے والد سے انھیں میری وجہ سے ڈانٹ پڑتی کہ میں ان کے ساتھ کھیلنے کی وجہ سے لڑکیوں جیسا بنتا جا رہا ہوں۔ میں کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کرتا تھا مگر گھر کے ہر فرد کو میری ذات سے مسئلہ تھا سوائے میری امی کے۔ میری امی سارا دن میری وجہ سے ڈانٹ سنتیں، جب

میرے والد سزا کے طور پر میرا کھانا بند کر دیتے تب بھی امی سب سے چوری مجھے اپنے ہاتھ سے نوالے بنا کر کھانا کھلاتیں۔ وہ مسلسل روتیں اور مجھے بہت پیار سے سمجھاتیں کہ میں اپنے والد کے لئے دل میلانہ کروں بلکہ وہ جو بھی کہتے ہیں میرے ہی بھلے کے لئے کہتے ہیں۔

میرے والدین دونوں ہی جانتے تھے کہ خدا نے مجھ میں کمی رکھی ہے، مجھے نامکمل بنایا ہے۔ مگر یہ بات وہ تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میرے بھائی اور کزنوں نے کبھی مجھے کسرہ، کبھی نامرد اور کبھی ہجڑا کہنا شروع کر دیا۔

بوبی چپ ہو گیا جیسے وہ کچھ کہنا تو چاہتا ہو مگر کہہ نہ پا رہا ہو۔ بیگم سلطانہ نے جانم بی سے کہا کہ "انہیں تو مزید چائے کی طلب ہو رہی ہے اور یقیناً بوبی بھی پیئے گا تو فرح سے کہہ کر گرما گرم چائے منگوائی جائے۔"

اس کے بعد بوبی کی طرف دیکھ کر بولیں "بچے آپ اپنی ہر بات یہاں کر سکتے ہو۔ کس نے کیا کہا اور کیا کیا۔ کیونکہ جب تک آپ کے اندر کا درد باہر نہیں آئے گا آپ ماضی کی تکلیف سے نہیں نکل پاؤ گے تب تک آپ بہتر مستقبل کو اپنانے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہیں ہو گے۔"

بوبی جو بات ادھوری چھوڑ کر دوبارہ رونے لگا تھا۔ بیگم سلطانہ کے محبت بھرے انداز سے اسے حوصلہ تو ملا مگر اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ بات کیسے بتائے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا

جیسے وہ چاہتا ہو کہ اس کی بات کوئی اور نہ سن لے ورنہ اس کے ساتھ وہی سب نہ ہو جو ماضی میں ہوا تھا۔ بیگم سلطانہ اس کے انداز سے سمجھ گئی اور بولیں "اس وقت یہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہیں اور جو بھی بات تم بتاؤ گے وہ ہم دونوں کے سوا کبھی کسی تیسرے کو پتا نہیں چلے گی۔"

بوبی آگے کی طرف جھکا جیسے وہ رازداری سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ بیگم سلطانہ نے دیکھا کہ جانم بی اس طرف ہی آرہی ہیں تو انہوں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے وہیں رک جانے کو کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ جانم بی کی موجودگی میں بوبی گھبرا جائے اور اپنی بات مکمل نہ کر پائے۔ بیگم سلطانہ کو اندازہ تو تھا کہ وہ کیا تکالیف ہیں جن سے وہ گزرا ہے مگر وہ پھر بھی اسی کی زبانی سننا چاہتی تھیں تاکہ اس کے اندر کا سارا غم و غصہ اور خوف باہر آ جائے۔ بوبی نے اپنی آواز بہت ہی آہستہ کر دی۔ اس نے جانم بی کو نہیں دیکھا تھا اس کی ان کی طرف بیک تھی اور جانم بی اتنے فاصلے پر تھیں کہ وہ کچھ بھی سن نہیں پائیں۔

بوبی کے لہجے اور آنکھوں میں اس کرب کو دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا تھا جس سے وہ گزرا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ "میرے والد کسی کام سے گھر سے دو دن کے لئے گئے ہوئے تھے۔ میرے تایا اور چاچا بھی ساتھ گئے تھے جب کہ ان کی فیملی وہیں تھیں۔ اکثر رات کو سارے کزن بیٹھک میں اکٹھے ہو جاتے اور گپیں لگاتے مگر مجھے کوئی اپنے ساتھ نہ بیٹھاتا بلکہ میرا اس طرف جانا بھی منع تھا۔ میرا کبھی کبھی

بہت دل کرتا کہ سب مجھ سے بھی باتیں کریں مگر میرے ساتھ تو ایسا رویہ رکھا جاتا جیسے مجھے چھوت کی بیماری ہے۔ اس رات۔۔۔ اس رات "

بوبی کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آواز کہیں ان آنسوؤں میں دب گئی۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں پا رہا تھا۔ جانم بی کچھ سن تو نہیں پا رہی تھیں مگر سب محسوس کر رہیں تھیں۔ بیگم سلطانہ کے اشارے پر وہ آگے آئیں اور بوبی کو گلاس میں پانی ڈال کر دیا۔ اتنے میں فرح چائے بھی لے آئی۔ فرح ہمیشہ جتنی خاموشی سے آتی تھی اتنی ہی خاموشی سے واپس چلی جاتی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بہری اور گونگی ہو مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ سب سن اور بول سکتی تھی مگر وہ جانتی تھی یہ وہ جگہ ہے جہاں اتنا ہی سننا ہے جتنا ضروری ہے اور اتنا ہی بولنا ہے جتنا سوال کیا جائے۔

پانی پی کر بوبی کی حالت کچھ بہتر تو ہوئی مگر بات مکمل کرنا جیسے اس کے لئے اب بھی بہت مشکل تھا۔ جانم بی نے چائے بنا کر بیگم سلطانہ کو دی اور خود واپس دور جا کر کھڑی ہو گئیں کیونکہ بوبی نے چائے کا کپ پکڑا ہی نہیں۔ اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔ وہ سب بتانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ہی خون کے رشتوں سے ملی اذیت کو سہہ کر تھک چکا تھا مگر لفظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ بیگم سلطانہ بہت سکون اور خاموشی سے بوبی کے بولنے کا انتظار کر رہیں تھیں۔

بوہی نے اب تک صرف ایک بار بیگم سلطانہ کی طرف دیکھا تھا جب وہ ان سے بات کرنے وہاں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ بیگم سلطانہ کی طرف دیکھا تو دل نے گواہی دی کہ یہی وہ انسان ہے جس کے پاس اس کے درد کا مرہم ہے۔ یہ ہمدرد ہے، یہ مہربان ہے۔

بوہی کی آواز دوبارہ بھر آئی وہ بولا "اس رات گھر میں نہ تو ابو تھے نہ کوئی تایا یا چاچا۔ بس میرے دادا ابو تھے جو بہت زیادہ ضعیف تھے اور چلنے پھرنے سے قاصر تھے۔ میرے تایا ابو کے بیٹے نے کہا کہ "تم کیوں نہیں ہمارے ساتھ بیٹھک میں آتے۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا "میں"

تو وہ بہت محبت سے بولا کہ "ہاں مناسب کزن اکٹھے ہوتے ہیں گپ شپ لگاتے ہیں۔ مل کر کھانا کھاتے ہیں تم ہمارے ساتھ کیوں نہیں آتے۔ آج رات تم بھی آنا۔ ویسے بھی صبح اتوار ہے چھٹی ہے دیر تک محفل لگے گی۔"

میں بہت خوش تھا کہ سب کزنز کے ساتھ آج میں بھی مزے کروں گا۔ عشاء کے بعد سب ہی چلے گئے۔ میری امی نے مجھے منع بھی کیا مگر میں کچھ دیر بعد امی سے چوری چلا گیا۔ مجھے وہاں دیکھ کر پہلے تو سب میرا مذاق اڑنے لگے۔ پھر مجھے پیار سے کہا کہ "چل ڈانس کر کے دکھا۔"

میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ میرے تائے کے بیٹے نے جو ہم سب میں بڑا تھا میرے جسم پر غلط انداز میں چھونا شروع کر دیا۔ میں نے کوشش کی کہ وہ مجھے اس طرح نہ چھوئے مگر جتنا میں اس سے دور ہونے کی کوشش کروں وہ میرے پاس آئے اور باقی سب میرے اوپر ہنسنے لگے۔ ان ہنسنے والوں میں میرے دونوں بھائی بھی شامل تھے۔ میرا ایک کزن بولا "کل بھی تم نے یہی کرنا ہے تو آج کیوں نہیں۔ شروعات تو گھر سے کرنی چاہیئے۔ باہر والوں کو تو ساری زندگی خوش کرتے رہو گے۔"

بوبی کی آواز کانپنے لگی۔ بیگم سلطانہ کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ کچھ ایسا ہی ہوا ہو گا مگر اپنوں نے کیا اس بات آ اندازہ نہیں تھا۔ بوبی کانپنے لگا۔ بیگم سلطانہ اپنی کرسی سے اٹھیں اور بوبی کے سر پر پیار دینے کے بعد اسے پانی دیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ بیگم سلطانہ نے جانم بی سے کیا کہ "وہ ڈنر یہیں بوبی کے ساتھ کریں گی۔"

جانم بی یہ سن کر چلی گئیں۔

بوبی کچھ سنبھال تو دوبارہ بات شروع کرتے ہوئے بولا "اتنی بے حسی تھی میرے اپنے کزن جو میرے بھائیوں جیسے تھے انھوں نے مل کر میری شلوار کھینچنا شروع کر دی۔ میں نے شور مچانے کی کوشش کی تو ایک کزن نے جو کافی بھاری جسم کا مالک تھا میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میرے بھائیوں کو اب ڈر لگنے لگا کہ جب گھر کے بڑوں کو پتا چلے گا تو کیا ہو گا خاص کر ابو کو تو انھوں نے میرے

کزن کو روکنے کی کوشش کی۔ میرے کزن بولے یہ تو بھڑا ہے۔ اس نے یہی کچھ ساری زندگی کرنا ہے تو سب سے پہلے ہم ہی مزا کیوں نہ لے لیں۔ تمہیں کیا تکلیف ہے آؤ تم بھی مزے لو۔ یہ کہہ کر وہ میرے ساتھ زبردستی کرنے لگے۔ سب نے باری باری مجھے زیادتی کا نشانہ بنایا سوائے میرے بھائیوں کے۔ اس کے بعد وہ مجھے اٹھا کر گھر کے مین گیٹ کے باہر کی طرف پھینک آئے۔ میں تو زخمی تھا چلنے پھرنے سے قاصر۔ آدھی رات کے بعد گاڑی گیٹ کے قریب رکی تو سب سے پہلے میرے چاچا کی مجھ پر نظر پڑی اور وہ بہت پریشان ہوئے۔ میرے تایا ابو اور ابو نے مل کر مجھے گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے کر گئے۔ وہاں تشخیص کرنے ہر پتا چل گیا کہ میرے ساتھ اجتماعی زیادتی کی گئی ہے۔"

بیگم سلطانہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ انھیں اس پر بہت پیار آ رہا تھا جیسے ایک ماں کو اپنے بچے پر۔ ماں کے لئے یہ بات معافی نہیں رکھتی کہ بچے میں کیا نقص ہے۔ ماں کو تو نقص نظر ہی نہیں آتا۔ وہ تو اپنے بچے کو زمانے کی ہر بری نظر سے بچا کر چھپا کر رکھنا چاہتی ہے۔ بیگم سلطانہ نے بھی ایک لمحہ کو ایسا ہی سوچا مگر وہ بس ایک کمزور لمحہ تھا۔ وہ جب خود کمزور نہیں تھیں تو ان کی آواز کیسے کمزور ہو سکتی ہے۔ انھوں نے تھام لی کہ اسے اتنا مضبوط بنائیں گی کہ مستقبل میں وہ کسی کے ساتھ زیادتی ہوتے دیکھے تو روکنے کی ہمت بھی رکھتا ہو اور طاقت بھی۔

بیگم سلطانہ نے اس سے پوچھا "تمہارے گھر کے مردوں نے تم سے پوچھا نہیں تمہاری یہ حالت کس نے کی؟"

بوی جو اب اس پل کی درد کو محسوس کر کے بچے کی طرح رو رہا تھا بولا "پوچھا تھا مگر میرے جواب پر انھیں یقین نہیں آیا۔ خاص کر میرے ابو اور چاچا کو۔ تایا کو شاید یقین تھا۔ وہ اسی لئے خاموش بھی رہے اور گھر میں انھوں نے سب سے اس بارے میں پوچھا بھی۔ مگر سب نے انکار کر دیا۔ میرے تایا ابو نے یہ طے کیا کہ میرے گھر جانے کے بعد ہی فیصلہ کریں گے اور مجرم کو سزا بھی دیں گے۔"

بیگم سلطانہ پوری توجہ سے بوی کی بات سن رہی تھیں۔ بوی نے کہا "آپی" پھر چپ ہو گیا۔ بیگم سلطانہ کے لئے یہ لفظ نیا تھا انھوں کوئی بھی اس نام سے مخاطب نہیں کرتا تھا۔ سب انھیں میم یا میڈم کہتے تھے اور جانم بی بیگم صاحبہ کہہ کر بلاتی تھیں۔

بوی نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا میں آپ کو آپی کہہ سکتا ہوں۔"

بیگم سلطانہ مسکراتے ہوئے بولیں "ہاں کہہ سکتے ہو۔"

بوی نے بات دوبارہ شروع کی اور بتانے لگا کہ "کسی کو بھی ہسپتال آنے سے تایا ابو نے منع کر دیا تھا۔ میرے پاس میری امی رہ رہی تھیں اور تایا ابو خود دن میں جب وقت ملتا تو مجھے دیکھنے آ جاتے۔"

ایک ہفتہ شاید میں ہسپتال رہا پھر مجھے چھٹی مل گئی۔ امی کو میری ہر بات پر یقین تھا۔ امی تو ہر وقت میرا ماتھا چومتیں اور اللہ سے رو رو کر کہتیں کہ تیری مخلوق ہے میرے اللہ۔ میرے بچے کو اس ظالم دنیا سے بچالے یا پھر اٹھالے۔ جب میں گھر آیا تو میرے بھائی مجھے دیکھنے بھی نہیں آئے البتہ میرے تائے کا بیٹا آیا اور مجھے دھمکا کر گیا کہ اگر گھر میں کسی کو بھی تم نے بتایا کہ اس دن کیا ہوا تھا تو اب کی بار تمہارا اس سے زیادہ برا حال کر دیں گے ہم سب۔ خبردار جو ہم میں سے کسی کا بھی نام تمہاری زبان پر آیا۔ میں امی کو سب بتا چکا تھا ہر بات اور پوری تفصیل۔ امی میرے بھائیوں سے بات نہیں کر رہیں تھیں۔ کزن ابھی کمرے میں ہی موجود تھا جب امی کمرے میں آئیں میرے لئے سوپ بنا کر لائیں۔ امی کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا اور بولا چاچی میں تو پوچھنے آیا تھا کچھ چاہیے تو نہیں میں مارکیٹ تک جا رہا ہوں۔ امی نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ میری طرف گھورتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بوبی رونے لگا اور اسے ہچکیاں لگ گئیں۔ بیگم سلطانہ کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ انھیں خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ رو رہیں ہیں۔ بوبی سترہ اٹھاراں سال کا بچہ تھا۔ اسے اپنوں نے ہی گھرے گھاو دیئے تھے۔

بوبی نے آنسو اپنی قمیض کی آستین سے صاف کئے اور بولا "امی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا تھا بنا ڈرے مجھے سب بتاؤ۔ ایک امی ہی تو وہ انسان تھیں جن سے مجھے ڈر نہیں لگتا تھا۔ میری بہنیں بھی بہت اچھی تھیں مگر وہ ابو کی مار سے بہت ڈرتی تھیں اس لئے ابو کی غیر حاضری میں میرے پاس آتیں۔ میں نے امی کو سب بتا دیا۔ امی رونے لگیں پھر ایک دم اپنے آنسو صاف کر کے بولیں دانش

بیٹا تم کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہو گے۔ تم بس میری ہاں میں ہاں ملانا۔ جس کو جو بھی کہنا ہوگا میں خود کہوں گی۔"

جانم بی کے پیچھے پیچھے فرح ٹرائی میں کھانا سجائے لا رہی تھی۔ بیگم سلطانہ نے فرح سے کہا کہ وہ کھانا رکھ کر چلی جائے اور جانم بی کو اشارہ کیا کہ وہ وہیں ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ فرح کی موجودگی میں بوبی چپ ہو گیا تھا۔ وہ چلی گئی تو اس نے ایک نظر جانم بی کی طرف دیکھا۔ بیگم سلطانہ نے پوچھا "بوبی اگر تم بات جانم بی کے سامنے نہیں کرنا چاہتے تو وہ بھی چلی جاتی ہیں۔"

بوبی آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا دیا اور بولا "آپ سے پہلے کسی نے ماں کی کمی پوری کی تو وہ جانم بی ہی تھیں۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں اگر وہ میری بات سن لیں دراصل پہلے میں بہت گھبرایا ہوا تھا کہ میری بات سن کر آپ مجھے یہاں سے بھی تو نہیں نکال دیں گی جیسے ابو نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔" بیگم سلطانہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا "تمہیں کو کیا تمہارے کے ابو نے گھر سے نکالا تھا؟"

بوبی نے جہاں بات چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرتے ہوئے کہا "شام کو جب عدالت لگی اور سارا گھر وہاں موجود تھا تو میرے تایا ابو نے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا بیٹا بنا کسی سے بھی ڈرے سچ کہو کیا ہوا تھا اس رات۔ اپنے ابو سے بھی مت ڈرنا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ کیا کہنا ہے۔ میرے کانوں میں میرے کزن کے جملے گھومنے لگے اور میں رونے لگا۔ میری امی بولیں بھائی جان

دراصل میں نے دانش کو دہی لینے بھیجا تھا وہ دہی لے کر واپس آ رہا تھا کہ کچھ آوارہ لڑکوں نے اسے گھیر لیا اور دانش کی وہ حالت بنا دی۔ تایا ابو بولے بھابی اس بات میں کتنی صداقت ہے۔ میری تائے امی اور چاچی بھی جانتی تھیں کہ امی جھوٹ بول رہیں ہیں مگر سب خانوش تھے۔ امی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئیں تھیں بولیں ماں ہوں جھوٹ کیوں بولوں گی۔ ابو نے سب کے سامنے امی پر چلانا شروع کر دیا کہ ایک تو نامرد پیدا کیا ہے اوپر سے اسے آدھی رات کو گھر سے باہر بھیج دیتی ہو۔ ایسے ہجڑوں کو تو دن میں ہتھکڑیاں پہنا کر کمرے میں بند رکھنا چاہیے۔ گھر کے باقی سارے لڑکے کیا مر گئے تھے کہ تم نے اس ہجڑے کو بھیج دیا۔ امی بس خاموشی سے روتی رہیں اور ابو چلاتے رہے۔ ابو کو اس طرح زور زور سے چلاتے دیکھ کر میں اونچی اونچی رونے لگا۔ ابو کمرے سے باہر گئے اور کچھ دیر بعد لوہے کا پائپ اٹھالائے جس سے انھوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میرے تایا ابو، چاچا، امی سب مجھے بچاتے رہے۔ تایا ابو نے میرے ابو کے ہاتھ سے پائپ چھین لیا اور کہا کہ پاگل ہو ایک تو پہلے ہی بچہ اتنی تکلیف سے گزرا ہے اور اب تم زیادتی کر رہے ہو۔ دادا ابو بھی رو رہے تھے بس بنا آواز کے۔ تایا ابو نے امی کو کہا کہ مجھے یہاں سے لے جائیں اور ساتھ میں تاکید کی کہ میرا پورا خیال رکھیں۔"

جانم بی کی بھی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ بولیں "تم خوش قسمت ہو کوئی تو تھا تمہارا ساتھ دینے کے لئے۔"

بوہی روہنسی ہو کر بولا "ابو نے تو امی سے بھی بات چیت بند کر دی۔ یہاں تک کہ امی کا اپنے کمرے میں داخلہ بھی بند کر دیا۔ تائی امی میری امی کو سمجھاتیں کہ وقتی غصہ ہے۔ جب اترے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب میرا گھر سے تو کیا کمرے سے باہر نکلنا بھی بند ہو گیا۔ بات سارے محلے تک میرے کزن پہنچا چکے تھے کہ دانش تو ہجڑا ہے اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی ہوئی ہے رات کے اندھیرے میں۔ ابو، تایا ابو چاچا سب ہی مسجد میں فجر اور عشاء کی نماز لازمی پڑھتے تھے۔ ابو نماز پڑھ کر واپس آنے لگے تو امام مسجد نے ابو سے کہا کہ "مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے دو منٹ اپنے قیمتی وقت میں سے دیں گے۔ ابو وہیں مسجد میں امام مسجد کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ بولے کہ محلے بھر میں آپ کے چوتھے بیٹے دانش کو لے عجیب عجیب باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ بھی بیٹیوں والے ہیں اور آپ کے بھائیوں کی بھی ماشاء اللہ بیٹیاں ہیں۔ کل کو جب آپ میں سے کسی کو بھی بیٹی کا رشتہ کرنا ہو گا تو آپ کے اس بیٹے کی وجہ سے اچھے اچھے رشتے واپس چلے جائیں گے۔ شاید میرے ابو کے دل کو یہ بات لگ گئی۔ امام صاحب بولے میرا مشورہ ہے یا تو اسے کھانے میں ملا کر کچھ دیں دیں اور اس کی موت کو حقیقی موت قرار دیں یا پھر اسے یہاں دور کہیں چھوڑ آئیں۔ اس میں نا صرف آپ کے گھر کی عزت بچ جائے گی بلکہ آپ کے گھر کے اس ناکارہ فرد کی وجہ سے ہم سب کے لڑکوں کے خراب ہونے کا خدشہ ہے۔"

بیگم سلطانہ تو سنتی زیادہ اور بولتی کم تھیں مگر جانم بی انھیں تو بولنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ وہ بوبی کی طرف دیکھ کر بولیں "خون ہی جب سفید ہو جائے تو کسی غیر سے کیا شکوہ۔"

جانم بی چپ ہوئیں تو بوبی نے دوبارہ بات شروع کی۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس پل وہ اپنے اندر کا سارا غبار نکال کر خود کو درد سے آزاد کرنا چاہتا تھا۔

بوبی نے کہا "میرے ابو گھر آئے تو وہ حتیٰ فیصلہ کر کے آئے تھے جیسے۔ اس دن کے بعد سے رات امی میرے کمرے میں ہی سوتی تھیں۔ ایک تو ابو نے ان کا اپنے کمرے میں داخلہ بند کر رکھا تھا دوسرا انھیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں کوئی پھر میرے ساتھ کچھ غلط نہ کر دے۔ ابو میرے کمرے میں آئے اور بنا میری طرف دیکھے امی سے اپنے کمرے میں چل کر سونے کو کہا۔ امی مجھے اکیلا نہیں چھوڑ کر جانا چاہتی تھیں مگر ابو کو انکار کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ امی نے میرے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا دانش رات کو ڈر لگے تو میرے پاس آ جانا۔ آدھی رات کو ابو میرے کمرے میں آئے۔ مجھے اکیلے ہونے کے خوف سے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کمرے میں ابو کو دیکھ کر میں ڈر گیا اور آنکھیں ایسی بند کر لیں جیسے میں سویا ہوا ہوں۔ ابو نے کمرے بچھی چارپائی جس پر امی سویا کرتی تھیں اس سے تکیہ اٹھایا اور میرے منہ پر زور سے رکھ کر دبانے لگے۔ میں زندہ ہوتے ہوئے بھی نہ ہلا۔ مجھے لگا میرا مر جانا ہی بہتر ہے۔ مگر میری امی انھیں تو جیسے ہر پل میری فکر رہتی تھی۔ سوئی شاید وہ بھی نہیں تھیں کیونکہ ابو کے پیچھے وہ بھی میرے کمرے میں آ گئیں۔ میں نے تب پہلی بار محسوس کیا کہ ماں کتنی طاقتور

ہوتی ہے۔ میری امی بہت زور سے چلائیں اور جتنی زور سے چلائیں اس سے کہیں زیادہ طاقت سے انھوں نے میرے ابو کو پیچھے دھکا دیا۔ میرے ابو یقیناً ذہنی طور پر اس سب کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ خود کو سنبھال نہ سکے اور دور جا گرے۔ میری امی نے تکیہ میرے منہ سے ہٹایا اور مجھے اپنے ساتھ لگا کر پاگلوں کی طرح رونے لگیں۔ چلانے لگیں کہ اس نے کیا بگاڑا ہے تم سب کا۔ رات کی خاموشی میں امی کے چلانے اور زور سے رونے کی آواز سے سب ہی میرے کمرے میں آ گئے۔ میری امی چلا چلا کر سب سے پوچھ رہیں تھیں پھر وہ ایک دم بولیں میرا معصوم بچہ سب کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اس خاندان کے سارے جوان اور ذہین لڑکوں نے مل کر اس رات میرے بیٹے کا وہ حال کیا تھا۔ میں نے اسے اپنی قسم دی تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ گناگار کوئی بھی ہو سزا تو میرے معصوم بچے کے حصے میں ہی آئے گی۔ درندے ہو تم سب۔ درندے۔ میری امی نے مجھے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا جیسے وہ مجھے سب سے چھپا رہی ہوں۔"

بیگم سلطانہ کی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح چمکنے لگے مگر انھیں کمال ضبط حاصل تھا۔ کسی کے بھی سامنے کمزور نظر آنا بیگم سلطانہ کی شان کے خلاف تھا۔ جانم بی نے سوالیہ انداز میں پوچھا "اگر تب تمہاری امی نے تمہیں بچا لیا تو تم۔۔۔"

بو بی جس کی آنکھیں اور چہرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بار بار اپنے چہرے کو اپنی آستین سے صاف کرتا۔

آنکھیں صاف کرنے کے بعد اپنے لہجے کو مضبوط کرتے ہوئے بولا "میرے ابو نے اس وقت صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ کچھ بھی ہو وہ مجھے اس گھر میں برداشت نہیں کریں گے۔ میرے تایا ابو اور تائی امی نے فیصلہ سنایا کہ اس کھنوں کھیل میں جو بھی شامل تھا ان سب سے گھر والوں کا مکمل بائیکاٹ ہے۔ تایا ابو اور دادا جان نے ابو کو سمجھانے کی کوشش کی اور کمرے میں بھیج دیا۔ میری امی ساری رات میرا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھی رہیں وہ ایک پل نہیں سوئیں کہ کہیں ان کی آنکھ بند ہو اور کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔ اگلے دن ابو نے امی کو زہر لا کر دیا اور بولے یا تو اسے کھانے میں ملا کر دو یا پھر میں اسے یہاں سے دور کہیں چھوڑ آتا ہوں۔ تیسری صورت میں میں تمہیں طلاق دے دیتا ہوں تم لے جاو اسے اپنے ساتھ، مگر یاد رکھنا تمہارے اور بچے بھی ہیں۔ اس ایک کی وجہ سے ان سب کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ میری امی بہت روئی کڑکڑائیں۔"

کھانا ٹرالی میں رکھا ٹھنڈا ہو چکا تھا مگر اس وقت بھوک کس کو تھی۔ بیگم سلطانہ نے جانم بی کی طرف دیکھا اور انھوں نے آگے بڑھ کر ٹشو کا ڈبہ بوبی کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ کچھ سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بوبی نے کہا "میری امی نے ابو سے کہا کہ وہ تو باپ ہیں وہ تو مجھے سب سے بچا سکتے ہیں وہ مضبوط ہیں۔ وہ کیوں خود اتنے بے رحم بن گئے ہیں۔ ابو نے اس وقت جو جواب دیا بس میں اسی وجہ سے خود گھر سے چلا گیا۔"

جانم بی نے بے چینی سے پوچھا "ایسا کیا جواب دیا تمہارے ابو نے؟"

بوی کی آواز میں اب غم سے زیادہ درد تھا۔ وہ بولا "اس وقت مجھے پتا چلا کہ میرے ابو مجھ سے نفرت نہیں کرتے بلکہ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ وہ اس خوف سے کہ زمانہ میرے ساتھ کیا کیا ظلم ڈھائے گا مجھے ڈانٹتے اور سختی کرتے تھے۔"

جانم بی نے پوچھا "اس بات کا کیا مطلب ہے؟"

بوی نے جانم بی کی طرف دیکھا اور بولا "میرے ابو نے کہا میں اسے گھر کے بچوں سے نہیں بچا سکا۔ اس کے سگے بھائی۔۔۔ اس کے سگے بھائی سب غلط ہوتے دیکھتے رہے۔ آج انہوں نے اس کے لئے کچھ نہیں کیا تو کل کون اس کے لئے کچھ کرے گا۔ کب تک میں اسے کمرے میں بند رکھوں گا۔ کب تک تم اسے دنیا سے چھپاؤ گی۔ کم از کم یہ ہمارے سامنے نہیں ہوگا تو ہر وقت کا احساس جرم تو نہیں ہوگا کہ میں باپ ہو کر اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میری امی روتی رہیں اور ابو یہ کہہ کر میرے پاس آئے۔ میں آنکھیں بند کر کے اوپر چادر اوڑھے ایسے لیٹا تھا جیسے گہری نیند سو رہا ہوں۔ میرے ابو نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور میرا ماتھا چوم کر بولے میں بہت بے بس ہوں مجھے معاف کر دو میرے بچے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں رکے نہیں امی کو روتا چھوڑ کر چلے گئے۔ امی بھی دن رات رونے اور مجھے سوچنے کی وجہ سے ذہنی طور پر بیمار رہنے لگیں تھیں۔"

بوی کچھ دیر کے لئے چپ ہوا تو جانم بی نے فرح کو بلوا کر کھانا گرم کر کے دس منٹ تک دوبارہ لانے کو کہا۔ فرح کھانا لے گئی واپس۔ فرح کے جانے کے بعد بوی نے کہا "میں امی کے سونے کا

انتظار کرنے لگا۔ مجھے سونا نہیں تھا۔ میں اپنی امی کو مزید آزمائش میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ امی کے سوتے ہی میں دبے قدموں اٹھا اور رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکل گیا۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے اپنے گاؤں سے بہت دور جانا تھا۔ کہاں یہ تو میں بھی نہیں جانتا تھا۔ میں بس چلتا رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ دن میں کسی کھیت میں سو جاؤں گا کیونکہ دن کو جنگلی جانور چھپ جاتے ہیں۔ مگر میری قسمت کہ وہ آدمی بھرے دن میں مجھے پریشان کرنے لگے۔ میں نے بہت کوشش کی ان سے خود کو بچانے کی۔ اس وقت ہی آپنی کی گاڑی وہاں آگئی اور انھوں نے مجھے بچا لیا۔"

بیگم سلطانہ نے ایک لمبی گہری سانس لی۔ بوبی اب کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ مگر پھر بھی کچھ پریشان تھا۔

بیگم سلطانہ نے بولیں "دن میں جنگلی جانور چھپتے ہیں مگر انسان جنگلی جانوروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ جنگل کے بھی کچھ قانون ہوتے ہیں مگر انسانوں کے کوئی قوانین نہیں۔ اور بوبی تمہیں میں نے نہیں اللہ تعالیٰ نے بچایا ہے وہ بھی تمہاری ماں کی دعاؤں کے صلے میں۔ تم جب گھر سے نکلے ہو گے تو سب سے پہلے تمہاری ماں کو ہی پتا چلا ہو گا۔ ماؤں کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ انھوں نے اس پل ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کی آمان میں دے دیا ہو گا اور جب کسی کی بھی حفاظت کا ذمہ پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ڈال کر ہم خاموش ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے بہتر حفاظت کون کر سکتا ہے۔ تمہاری امی

نے بھی تمہیں اپنے رب کے سپرد کر دیا ہو گا تب ہی تو عین وقت پر میری گاڑی وہاں سے گزری۔
ورنہ میں چند سیکنڈ پہلے گزر جاتی تو مجھے کیا خبر ہونی تھی کہ تم تکلیف میں ہو۔"

بوبی کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔ بیگم سلطانہ نے کہا "اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنی ماں کے لئے ہمیشہ دعا
کرنا۔ تمہیں اگر اپنی امی کا فون نمبر یاد ہے تو جانم بی تمہاری ان سے بات کروا دیں گی۔ تم بالکل رونا
مت بلکہ انہیں یقین دلانا کہ تم خوش بھی ہو اور محفوظ بھی۔"

فرح دوبارہ کھانا گرم کر کے لے آئی تھی۔ بیگم سلطانہ نے تو کھانے سے انکار کر دیا یہ کہہ کر کہ
"میری بھوک تو ختم ہو گئی۔"

انہوں نے فرح سے کافی بنا کر لانے کو کہا۔ البتہ بوبی اور جانم بی کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

بیگم سلطانہ نے بوبی سے پوچھا "تم کتنا پڑھے ہو اور کیا ساری تعلیم اسکول سے لی ہے؟"

بوبی نے منہ کا لقمہ ختم کر کے بتایا "میں نے میٹرک کیا ہے۔ اس کے بعد ابو نے آگے ایڈمیشن نہیں
لینے دیا۔ کیونکہ۔۔۔"

بیگم سلطانہ نے پوچھا "تمہیں آگے پڑھنا ہے یا نہیں۔"

بوبی کچھ دیر تو خاموش رہا۔ پھر بولا "نہیں آپ می مجھے آگے نہیں پڑھنا۔ میں کوئی ہنر سیکھنا چاہتا ہوں۔"

جیسے کہ میک اپ کرنا۔ مجھے میک اپ کرنا بہت پسند ہے۔ میں میک اپ آرٹسٹ بننا چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ بوبی نے کھانا کھا لیا تو جانم بی نے اسے فرح کے ساتھ بھیج دیا۔ کیونکہ وہ سمجھ گئی تھیں کہ بیگم سلطانہ نے کچھ بات کرنی ہے اس سے۔"

بیگم سلطانہ نے کرسی سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ جانم بی نے کافی آنے کی اطلاع دی تو بیگم سلطانہ نے کافی کا کپ پکڑتے ہوئے جانم بی سے کہا

"آپ ناہید کی شاگردی میں بوبی کو دے دیں۔"

پھر جانم بی کی طرف دیکھا تو جانم بی نے مسکراتے ہوئے کہا

"جی بیگم صاحبہ کل سے ہی اس کی ٹریننگ شروع ہو جائے گی۔"

جاری ہے